روحانیت وسکون،
دکھی دنیا کے لئے ادیان کا تحفہ

مؤلف: ڈاکٹر محمد جواد صاحبی
مترجم: مولانا منہال حسین خیرآبادی

معنویت سے متعلق مختلف آراء و نظریات پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کا اصل مفہوم دنیا کے ہر انسان کی نظر میں مشترک ہے۔ معنوی نگاہ حقیقت میں ایک ایسے فہم و شعور کا نام ہے جو دنیا کی مادیات کی بندشوں سے پرے اور الفاظ و جملات کی ظاہری اسارت اور قید و بند سے آزاد ہو کر عالم باطن اور اس کائنات کی ناپید اور نظروں سے اوجھل تہ بہ تہ دنیا میں سیر کرتی ہے، کائنات کی ناگفتہ حقیقتوں سے پردہ اٹھاتی ہے اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والے جلوؤں کی کھوج کرتی ہے۔ انسان کے ایسے نفسانی حالات جن کی تعداد مخلوقات عالم کی تعداد سے کم نہیں ہے، جو کبھی متعالی امور سے وابستہ ہوتے ہیں اور کبھی اس کائنات کے پیدا کرنے والے سے اپنے بندھن جوڑتے ہیں اور اس کی مدد سے بے نہایت سیر کا آغاز کرتے ہیں۔

پس اب یہ بات بالکل کہی جاسکتی ہے کہ ایک معنوی اور روحانی کائنات حقیقت میں امور قدسی کا ایک نایاب مجموعہ اور عرفانی و باطنی اور اخلاقی اقدار کی حامل ہے جس میں اس مادی اور ظاہری دنیا کی بندشیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ حقیقی معنوں میں آزاد ہوتی ہے۔

یہ مادی دنیا اپنے متنوع نقش و نگار کے باوجود تھکا دینے والی ہے۔ اپنی ناموزوں چال ڈھال، اسی طرح اس مادی دنیا کی طبیعی ناخوشگواریوں کے ساتھ انسان کا میل جول، اس پر ستم بالائے ستم انسان کی روحی و روانی اور جسمانی کمزوری، ناتوانی اور درد و رنج اس میں خوف و وحشت کو کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں، اسی لئے اس مادی دنیا کے ایسے نقصانات سے بچنے کے لئے اس کی مادیت کی اسارت سے نجات اور آزادی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

انسان نے اپنے تجربوں کے آئینہ میں اس راز کو معلوم کرلیا ہے کہ ہماری مادی دنیا اپنی تمام مشکلات، مصائب اور نوع بہ نوع قید وبند کے ساتھ ناپائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے۔اس حقیقت کے علم کے بعد وہ دائم اور مسلسل ایک لامحدوداور مشکلات سے عاری کائنات کی تلاش میں سرگرم رہتا ہے۔ اس کی یہ سرگرمی اور نئی دنیا کی کھوج حقیقت میں اسی مادی دنیا کے مادی اسباب وعلل کے ذریعہ انجام پاتی ہے پس یہ بات بالکل یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ مادی دنیا جاودانی حیات کی کھوج اور ایک بے انتہا کائنات کی تلاش میں ابزار اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ دین کے سربراہوں کی تعبیر میں کہا جائے تو اسے الدنیا مزرعة الآخرة کہا جاسکتا ہے۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ دین اگر معنویت سے خالی ہو تو گرچہ اس کی حالت مغز کے مقابلے میں چھلکے کی ہے لیکن پھر بھی اسے ایک دین کہا جاسکتا ہے جس کے احکام اور مناسک بے جان اور خشک ہیں، عقیدہ پر جمود طاری ہےاور اس پر ظاہری خد و خال کا چڑھا وا ہوتا ہے۔ایسے دین معقولات سے لاپرواہ اور زیادہ تر خرافات کے دامن میں جنم لیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی مادیت سے ناطہ جوڑ لیتے ہیں جس کے باعث، تعصب، خشونت اور تباہی و بربادی کا باعث بنتے ہیں، ہر طرف شر و فساد پھیلاتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کواس امر کی جانب ترغیب دلاتے ہیں۔

پس وہ زمانہ جس میں مادی علم اور عقل، ٹکنالوجی اور حیرت انگیز ترقی سرچڑھ کر بول رہی ہو، ایسے ماحول میں معنویت سے فرار کے باعث قدرت، دولت، روحی وروانی اور اخلاقی بحران وجود میں آتا ہے اور انسان لاعلاج امراض اور مشکلات کا شکار ہوجاتا ہے، لہٰذا ایسے مصائب ومشکلات سے فرار اور نجات پانے کے لئے ایسے دور میں معنویت کا دامن تھامے بغیر خلاصی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور اس مشکل کو دور کرنے کے لئے ادیان عالم کے درمیان معنوی مشترکات کو تلاش کرنا ضروری ہے تاکہ انسان معنویت کا دامن تھامنے کے بعد زیادہ سے زیادہ سکون واطمینان حاصل کرسکے اور ایک پرسکون زندگی گذار سکے۔

صنعتی دنیا کا بحران

آج کی صنعتی دنیا اور ٹکنالوجی کا دور مادی اور بے جان ہے۔ایسی دنیا میں انسان نشو ونما اور تولید و پیداوار کے لئے کوشاں رہتا ہے تاکہ وہ بھی دور حاضر کے متمدن دنیا کی طاقت وثروت اور ٹکنالوجی میں اپنا حصہ بناسکے۔ جن دانشوروں نے ایسے عظیم تمدن اور تہذیب کی سنگ بنیاد ڈالی تھی اور اختراعات اور

ایجادات کی بھرمار کردی تھی وہ اپنی کاوشوں کے ذریعہ بشر کی خدمت کرنا چاہتے تھے اور اسے چین وسکون پہچانا چاہتے تھے، لیکن اس دنیا کی بڑھتی ہوئی رفتار، مادی ترقیات اور ٹکنالوجی انسانوں کے لئے بے شمار مشکلات اور مصائب کا بھی باعث بنی، جس کے باعث انسانوں کی زندگی میں عظیم مشکلات چیلنج بنی ہوئی ہیں اور انسانی سماج کوان سے شدید خطرہ لاحق ہے۔[1] معنویت کا بحران ، نفسیاتی بحران ، ماحولیات کا بحران، ناامنی کا بحران، ایسی مشکلات ہیں جو آج کی فردی و اجتماعی زندگی کے لئے چیلنج ہیں اور ان کے چین وسکون کو تباہ و برباد کردیا ہے۔ آج کے انسانوں کی مادی اور صنعتی نگاہیں حقیقت میں منفعت طلب ہیں جو ہر سو اپنے فائدے کی تلاش میں رہتی ہے۔اسی لئے آج کی متمدن زندگی طبیعت سے قداست کو ختم کرنے کے بعد اس کے لئے کسی احترام کی قائل نہیں ہے اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ روئے زمین کے جنگلات، دشت و دریا اور سمندر ہوس ران انسانوں کی تاخت و تاز کا میدان بن چکا ہے، جس کے باعث نہ تنہا طبیعت بے جان اور بے روح ہوچکی ہے بلکہ اس کے فوائد انسانوں کو کم پہنچنے لگے ہیں۔ روز بہ روز زمین کی تہوں میں نئی نئی کھوج، اختراعات اور صنعتی دنیا کے بڑھتے ہوئے قدم زہریلی گیس (گرین ہاؤس گیس) کی پیدائش کا باعث بن رہی ہے جس کے باعث دنیا کی محافظ اوزون پرت نازک اور نابودی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ زمین کی بڑھتی ہوئی حرارت، جنگلوں میں آگ زنی، سبزہ جات وغیرہ میں کمی، پانی کا گرم ہونا، زیر زمین پانی میں قلّت، سمندر میں مچھلیوں کی تباہی وبربادی، لاعلاج جسمانی امراض کی بڑھتی ہوئی شرح اور روز بہ روز نت نئے نفسیاتی امراض حقیقت میں انسانوں کی طبیعت کے حق میں زیادتی کی ایک نشانی اور دلیل ہے گویا انسان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کھلاڑی مار رہا ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ موجودہ دور میں انسانوں کی مشکلات خود اسی کی ایجاد ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہوں کہ آج کا انسانی بحران اور المیہ مصنوعی اور بناوٹی ہے جو روز بہ روز سخت اور فراگیر ہوتا جارہا ہے اور پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اور اس زمین کی حیات داؤں پر لگ چکی ہے، اس کے باوجود عجیب بات یہ ہے کہ اس مشکل کے واقعی اسباب و علل کو تلاش کرنے اور ان سے گلوخلاصی کا راہ حل پیش کرنے سے گریز کرتے ہیں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مغربی سماج میں طبیعت کی اقدار کشی جو نہایت آہستہ آہستہ انجام پائی ہے، اسے مد نظر قرار دینے، عقل محوری یا انسان محوری جو مغربی سماج میں علمی انقلاب کے

۱۔ مزید معلومات کے لئے رجوع کریں؛ بحران دنیای متجدد، ترجمہ سید ضیاء الدین، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۴۹ش

رونما ہونے کا باعث ہوا، وہ اس علم کے ذریعہ طبیعت کی مدد کے بدلے اس پر اپنا قبضہ جمانے کی فکر میں پڑ گیا تاکہ اس پر حکمرانی کر سکے، اس کے ساتھ من مانی کر سکے۔ اسے حکمت اور تدبیر الٰہی کو اجاگر کرنے کی کوئی فکر نہ تھی بلکہ اس نے اپنی توانائیوں اور باطنی صلاحیتوں کو اپنی مادی دنیا کو سجانے، مال و دولت کو اکٹھا کرنے اور اپنی قدرت کو اجاگر کرنے کے لئے استعمال کیا تھا[1]۔

موجودہ تہذیب کی بنیاد ڈالنے والوں نے اگر اپنے علمی انقلاب کے ذریعہ انسانوں کی کرامت کو ختم کر دیا ہے اور اسے شان و منزلت کے اعتبار سے دوسری مخلوقات کی صف میں کھڑا کر دیا ہے تو وہیں انہوں نے اپنی ٹکنالوجی اور صنعتی انقلاب کے ذریعہ اپنے اہداف و مقاصد کے حصول کے لئے اسے ایک مہرہ بنا دیا ہے جس کے دوش پر وہ صنعت کی مشین کو چلانا چاہتا ہے۔

طبیعت سے ماورائے طبیعت کی جانب سفر

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کائنات اور طبیعت میں ایک خاص نظم و نسق پایا جاتا ہے اور ان کے درمیان پیچیدہ اور اٹوٹ ہم آہنگی ہے، اس طبیعت کے جنگل، بیابان، دشت و صحرا، دریا اور ندی نالے سبھی ایک عظیم ہستی سے معنوی ناطہ جوڑے ہوئے ہیں جو حقیقت میں اس پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے؛ اسی لئے اگر دیکھا جائے تو اس کائنات کی ہر شے میں معنویت پائی جاتی ہے، کوئی بھی شے اس کائنات کی بیہودہ خلق نہیں ہوئی ہے اور ہماری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں ازلی و ابدی اور واجب الوجود کا ایک معمولی جلوہ اور اس کے جلال و جمال کا مظہر ہے۔ اسی حقیقت کو مشہور اور نامور شاعر باباطاہر ہمدانی اپنے خوبصورت اشعار میں پیش کرتے ہیں:

به دریا بنگرم دریا تو بینم — به صحرا بنگرم صحرا تو بینم
به هر جا بنگرم کوه و در و دشت — نشان از روی زیبای تو بینم

کس نے ایسی خوبصورت اور رنگین کائنات بنائی ہے اور اسے حیرت انگیز نظم و نسق کے ذریعہ آپس میں جوڑا ہے؟ اس کا اس طبیعت سے کیا واسطہ ہے اور کیونکر وہ ان سے رابطہ میں ہے؟ انسان اس طبیعت کا ایک حصہ ہے لہٰذا خالق ہستی نے اس سے اپنا رابطہ کیونکر قائم کیا ہے؟ اس کی تمام مخلوقات پر افضلیت کے پیش

۱۔ سید حسین نصر، انسان و طبیعت، ص ۱۲

نظر خالق کائنات اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے؟ کیا ایک انسان اپنے خالق اور معبود سے معنوی اور ہمیشگی رابطہ جوڑ سکتا ہے؟

انسان کے وجود میں خدا کی تلاش کی نہفتہ فطرت ہمیشہ ایک عالی و متعالی اور ہمیشگی وجود کی جستجو میں سر گرم رہتی ہے۔ انسان کی یہ باطنی کیفیت جو آیہ شریفہ فِطرَتَ اللّٰهِ الَتی فَطَرَ النّاسَ عَلَیھا[۱] کی کامل مصداق ہے، اسے ایک ایسی نعمت سے نوازتی ہے جس کی مدد سے وہ ظاہری الفاظ، اشیاء کے قید و بند سے آزاد اور مادی دنیا سے رہا ہو کر ماوراء کی سیر کرتی ہے۔ باطنی کائنات اور اس ہستی کی نہفتہ حقیقتوں سے پردہ اٹھاتی ہے اور اس طرح اس ہستی کے دیدہ زیب مناظر اور پراسرار باطنی کائنات کا سفر کرتی ہے۔ انسان کی یہ نفسانی کیفیت جس کے درجات خلائق عالم کی تعداد کے برابر ہیں، اس کائنات کی مدبر و حکیم پروردگار سے ناطہ جوڑتی ہے اور اس سے اپنا رشتہ جوڑ کر بے نہایت بن جاتی ہے اور اس طرح بے کرانوں کا سفر شروع کرتی ہے۔

پس اس دنیا میں جو انسان اپنی اصالت سے دور ہو جاتا ہے وہ باطنی طور پر اپنے سرچشمہ اور مبدا سے دوبارہ ملنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ بے چین اور سر گرداں رہتا ہے، اسی لئے وہ اپنی مادی دنیا میں اس کی تمام تر زیبائیوں، خود آرائیوں، دیدہ زیب مناظر اور انواع و اقسام کی سر گرمیوں کے باوجود باطنی طور پر خستگی اور تھکاوٹ کا احساس کرتا ہے۔ وہ اپنی مادی دنیا میں کوشش کرتا ہے اور ہاتھ پیر مارتا ہے اور اس راہ میں مال و دولت اور نام و شہرت بھی کسب کرتا ہے پھر بھی سیر نہیں ہوتا بلکہ شدید تھکاوٹ کا احساس کرتا ہے اور سب کچھ چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ اپنے گمشدہ کی تلاش میں در در کی خاک چھانتا ہے فقط اس امید پر کہ شاید اسے کہیں اس کا گمشدہ مل جائے، اسے حقیقی منزل کا راستہ مل جائے، مقصود کی کوئی خبر موصول ہو جائے۔ انسان کو اس مادی دنیا میں اس بات کا پورا یقین ہے کہ اس کی مادی زندگی تمام تر سہولیات اور انواع و اقسام کے مصائب کے باوجود ہر گز باقی رہنے والی نہیں ہے بلکہ اسے ایک دن نابود ہونا ہے، اسی لئے وہ اپنی جاودانی زندگی کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کی جستجو میں در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور اسے یہ بھی یہ معلوم ہے کہ اس کا گمشدہ انہیں مادی ابزار و وسائل اور طبیعی طریقوں سے قابل دسترسی ہے۔ یہ مادی وسائل اور سہولیات جو اس کے مادی جسم اور ظاہری زندگی کو سجائے اور سنوارے ہوئے ہیں وہی اسے معنوی زندگی سے مالامال کر سکتے ہیں، اسی لئے یہ بات بیان کی گئی ہے: الدنیا مزرعة الآخرة، یہاں پر یہ بات کہی

۱۔ سورہ روم، ۳۰

جاسکتی ہے کہ اس زاویہ نظر سے ہندومذہب میں کارما کا مفہوم مذکورہ حدیث کے مفہوم سے بہت نزدیک ہے لہٰذا یہ محاورہ جو بوئو گے وہی کاٹو گے ایک ایسی تعلیم ہے جسے محنت و مشقت کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس راہ میں خدا کے انبیاء، صالح بندے اور اولیاء کی رہنمائی کارفرما ہو جائے تو پھر چشم زدن میں اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور انسان اپنے مبدا سے وصل ہو سکتا ہے۔

البتہ یہ بات دھیان میں بٹھانے والی ہے کہ مادیت اور معنویت کا رابطہ دو طرفہ ہے، جیسا کہ ہماری مادی کائنات نہایت پر سرار اور پیچیدہ رمز وراز کی مالک ہے جو اپنے اندر ایک معنوی کائنات کی خبر دیتی ہے، اس کے دامن میں موجودہ طبیعت دقیق نظم و نسق کی مالک اور ظاہری و باطنی اعتبار سے قرینہ سے سجائی اور سنواری گئی ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہندومذہب میں دھرما کے مفہوم سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کائنات کی تمام اشیاء کا آپس میں میل جول اور اٹوٹ بندھن جس کا ایک حصہ خود انسان بھی ہے، جہان کثرت میں یکجہتی کی ایک بہترین نشانی ہے جسے عرفانی تجربے کے بغیر سمجھنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ ہندوئیزم میں ادویتا کا مفہوم اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں توحید مطلق کے درمیان جزئی اختلافات کے باوجود باری تعالیٰ کی نسبت مذکورہ دونوں مفاہیم کی قرابت صاف طور پر واضح ہے اس لئے کہ دونوں ایک لامتناہی اور نامحدود وجود کے سلسلہ میں متفق نظریہ کے قائل ہیں۔

عالم معنا کی سیر

عالم باطن میں معنویات کی تجلی مراقبہ، محاسبہ اور سیر و سلوک کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعہ انسان کی کرامت، شرافت اور بزرگی کے مقدمات فراہم ہوتے ہیں۔ معنویت یعنی باطن کو کھنگالنا اور اسے مادی خواہشات سے پاک و صاف کرنا جو انسانی ذہن و شعور پر قبضہ جمائے ہوتے ہیں۔ معنویت یعنی مادہ سے گذر جانا اور کنہ وجود تک سفر کرنا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ باطن کو اس طرح پاک و صاف کرنا اور روحی کمال کے لئے تگ و دو کرنا سماجی تعلقات کو بہتر بناتا ہے۔

تمام ادیان آسمانی کا فرض اور ان کی رسالت انسانوں کو معنویت سے جوڑنا اور اس کے آثار و برکات سے انہیں بہرہ مند کرانا ہے۔ اگر کوئی دین اپنے ماننے والوں کو ایسا راستہ نہ دکھاسکے تو اس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی ہے اس لئے کہ جس دین میں معنویت نہیں ہوتی وہ مغز کے مقابلے میں چھلکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے اعمال و احکام خشک و بے جان، اس کا ایمان سست اور حقیقت سے خالی ہوگا اور

ایک وہ ایسا دین ہوگا جس میں معقولات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، ایسے دین اکثر بدعت ہوتے ہیں اور ان کا گہوارہ بھی مادیت ہوا کرتی ہے، ایسے مذاہب شر و فساد، تعصب، جھگڑا لڑائی اور زمین و زمان کو مصیبتوں سے دوچار کرتے ہیں۔

آج کے دور میں اگر ہم مذہب کے نام پر قتل عام، تباہی و بربادی، کینہ و نفرت اور جنگ و خونریزی دیکھ رہے ہیں تو یہ سب کچھ ظاہر پرستی اور دین کی ذمہ داریوں کو نظرانداز کرنے کی بناپر ہے۔ جرمنی کے شہر کولن میں بے پناہ ناامنی اور جرم و جنایت، برما میں بودائیوں کا متعصبانہ رویہ، عراق اور شام میں داعش کی قتل و غارتگری اور دنیا کے دیگر ممالک میں جہاں دین کے نام پر ناروا سلوک کیا جارہا ہے وہ سب کچھ ادیان عالم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ جیسا کہ ہندو مذہب میں بھگوت گیتا کا پیغام سالک کے لئے ملاحظہ کریں: تو جو اس غم خانہ یعنی دنیا میں آیا ہے، صرف میری عبادت کر اور میرے غیر کی محبت سے اپنے دل کو خالی کرلے، مجھ پر پورا ایمان رکھ، میری تسبیح و تقدیس کر، میرا سجدہ کر اور کمال مطلوب مجھے سمجھ تاکہ تو مجھ تک پہنچ سکے[۱]۔

سالک کا امیدوار رہنا، کسی قید و شرط کے بغیر عشق کرنا، خودی سے آزاد ہونا، خدا پر پورا ایمان رکھنا، ساحل نجات تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور عشق کا نہائی مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اس دنیا میں نجات سے ہمکنار ہو۔

راہ خدا کے سالک سے بس توقع یہ ہے کہ وہ اس راستہ کو کسی سزا و عقوبت کے خوف اور کسی جزا سے دلبستگی کے بغیر صرف اور صرف عشق الٰہی میں طے کرے۔ خالق ہستی اور قادر مطلق خدا کی حمد و ثنا اور اس کی عبادت حقیقت میں معنوی کمال ہے، اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے: وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون ؛ہم نے جن وانس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

اس بندگی کی عالی ترین مثال امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نورانی کلام میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "الھی ما عبدتك خوفا من نارك و لا طمعا فی جنتك بل وجدتك

۱۔ بھگوت گیتا، تا،۹: ۳۴،۲۹، درسنامہ ادیان شرقی، علی موحدیان عطار، محمد علی رستمیان، ص ۲۶

اھلا للعبادۃ فعبدتک" خدایا! میں تیری عبادت تیری آگ کے خوف سے نہیں کرتا اور نہ ہی تیری جنت کی طمع میں کرتا ہوں بلکہ اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں کہ تجھے اس عبادت کے لائق پایا ہے[1]۔

عبادت ایک بے جان اور بے لذت وظیفہ کا نام نہیں ہےاسی طرح کسی تحفہ اور جزا کو حاصل کرنے کے لئے کسی فریضہ کا بھی نام نہیں ہے بلکہ عبادت ایک عشق ہے جو عاشق کی حرارت سے وجود میں آتی ہے اور اسے خالق کردگار کی بارگاہ میں سربسجود ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی لئے ایک مقام پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: " ان قوما عبدوا اللہ رغبۃ فتلک عبادۃ التجار و ان قوما عبدوا اللہ رھبۃ فتلک عبادۃ العبید و ان قوما عبدوا اللہ شکرا فتلک عبادۃ الاحرار"؛ کچھ لوگ جزا کی لالچ میں خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے، کچھ لوگ اس کی عبادت جہنم کے خوف کی وجہ سے کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے، کچھ لوگ شکرانہ میں اس کی عبادت کرتے ہیں، یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے[2]۔

پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے: "افضل الناس من عشق العبادۃ"؛ لوگوں میں بہترین وہ ہے جسے عبادت سے عشق ہو۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: "طوبی لمن عشق العبادۃ"؛ خوش نصیب ہے وہ شخص جسے عبادت سے عشق ہو۔

عبادت حقیقت میں معنوی سیر و سفر کا بہترین راستہ ہے جس کے ذریعہ محبوب اور معشوق تک رسائی میسر ہوتی ہے، اسی لئے عرفاء اور حکماء نے خالق مطلق اور موجود ابدی و سرمدی کی جانب سیر و سفر کے لئے چار قسم کے سفر بیان فرمائے ہیں:

۱۔ سفر من الخلق الی الحق

۲۔ سفر بالحق فی الحق

۳۔ سفر من الحق الی الخلق بالحق

۱۔ بحار الانوار، ج۴۱، ص ۱۴

۲۔ نہج البلاغہ، ص ۵۱۰، حکمت نمبر ۲۳۷

۴۔سفر فی الخلق با لحق

ا۔ سفر من الخلق الی الحق: ایک ایسا سفر ہے جس میں سالک اور خالق ہستی کے درمیان ہر قسم کے ظلمانی و نورانی حجاب بر طرف ہو جاتے ہیں۔

۲۔ سفر بالحق فی الحق: یہ ایک ایسا سفر ہے جس میں سالک اپنی ذات سے کمالات کی جانب سیر شروع کرتا ہے، منزل بہ منزل آگے بڑھتا رہتا ہے اور ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں سے وہ تمام کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہاں پر وہ ذات وصفات اور افعال کو یکجا حق میں فانی دیکھتا ہے، پس حق کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔

۳۔ سفر من الحق الی الخلق بالحق: یہ ایک ایسا سفر ہے جس میں سالک حق سے خلق کی جانب اپنی سیر کو شروع کرتا ہے۔ اس کے افعال کو یکے بعد دیگرے دیکھتا ہے۔ اس کے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس راہ میں وہ پوری طرح حق میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس سفر میں سالک کی حالت زایل ہو جاتی ہے اور حالت صحو پوری طرح اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ اس سفر میں جبروت وملکوت اور ناسوت کے جملہ عوالم کی سیر کرتا ہے ۔اس کی تمام مخلوقات کا بھی شہود کرتا ہے[1]۔

بعض مسلمان عرفاء جنہوں نے مذکورہ سیر انجام دی ہے اور عرفانی سیر و سلوک میں ایک عمر گذاری ہے، انہوں نے حق تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں معنوی سیر و سلوک کا عملی طور پر بروئے کار لانا لازم گردانا ہے اور انہوں نے سفارش کی ہے چونکہ سیر و سلوک کی وادی میں اصلی ہدف اور مقصد قرب الٰہی کے مقامات کو حاصل کرنا ہے لہٰذا سالک پر واجب ہے کہ وہ حضرت حق کے جملہ اوامر و نواہی کی پوری طرح پابندی کرے۔

پس یہ بات ذہن میں محفوظ رکھنے والی ہے کہ حضرت حق کے اوامر کی اطاعت جو حقیقت میں ظاہر کی تطہیر ہے، سیر و سلوک کی راہ میں سب سے پہلا قدم مانا جاتا ہے اس لئے کہ اس تطہیر ظاہر کے بغیر ادامہ راہ اور کمال مطلوب تک رسائی غیر ممکن ہے، اصطلاح میں اس مقام کو تجلیہ کہتے ہیں۔

ا۔ صدرالدین، محمد شیرازی، الحکمۃ المتعالیۃ،

جب سالک کے جملہ افعال و کردار شریعت مقدسہ کے احکام سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور وہ پوری طرح شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے تو اس کے بعد نفس کی تربیت کا مرحلہ شروع ہوتا ہے تاکہ حضرت حق کی مرضی کے موافق اس کی تطہیر ہوسکے اور اس کے باطن سے ہر قسم کی اخلاقی آلودگی اور کثافت دور ہو جائے۔ اصطلاح میں اس مقام کو تخلیہ کہتے ہیں ۔ سالک جب مذکورہ دو مقامات کو طے کرلیتا ہے تو پوری طرح پاک وصاف اور ہر قسم کی گندگی سے صاف ستھرا ہوجاتا ہے۔ سالک ظرف وجود کی تطہیر کے بعد اسے نیکیوں سے بھرنے کی کوشش کرتا ہے، یہیں سے سالک کا سفر حضرت سے لقاء اور اس کے دیدار کی جانب آغاز ہوتا ہے اس لئے کہ اب اس کے راستے سے موانع اور رکاوٹیں دور ہوچکی ہیں اور نفس سے جہاد میں سرخرو ہو چکا ہے اور اس میں حضرت حق سے ملاقات کی لیاقت پیدا ہوچکی ہے۔ بعض مسلمان عرفاء نے خدا کی جانب سیر اور کمال معنوی تک رسائی کے لئے درج ذیل امور کی رعایت کو بنیادی شرط قرار دیا ہے:

ا۔ نازیبا عادتوں، غلط رسومات اور تعارفات کو چھوڑنا، تعلق اور وابستگی کو ترک کرنا، بعض سماجی آداب ورسوم سے پرہیز کرنا۔

۲۔ عزم: مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، سختیوں میں صبر کرنا، خدا پر توکل اور بلاؤں کے مقابلے میں کھڑے ہونا، رکاوٹوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا۔

۳۔ رواداری کرنا: جسمانی طاقت کے مطابق عبادت کے لئے زحمت کرنااور عبادت کے لئے اس طرح منصوبہ سازی کرنا جس سے نفس کو کراہت محسوس نہ ہوتی ہو۔

۴۔ وفا: خداوند عالم سے جو عہد باندھا ہے اس پر باقی رہنا مخصوصا جب کوئی معصیت جہالت کی بناپر انجام دیا ہو تو اس پر اظہار پشیمانی کرنا۔

۵۔ ثابت قدم رہنا: سالک پر واجب ہے کہ وہ سلوک کے لئے وہی عبادت اور راستہ اپنائے جسے انجام دینے کی پوری صلاحیت اس میں پائی جاتی ہو، تاکہ اسے انتخاب کرنے کے بعد اس پر باقی رہ سکے۔

۶۔ مراقبہ: راہ سلوک کی حفاظت اور گناہ کی جانب تغییر مسیر سے بچاؤ، نیز وظیفہ کی فراموشی سے حفاظت، غرض کہ سالک پر واجب ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے اعمال کی دیکھ ریکھ کرے۔

۷۔ محاسبہ: چوبیس گھنٹے میں اپنے اعمال و کردار کی حساب رسی کے لئے کوئی وقت معین کرے جیسا کہ بے شمار روایتوں میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے وارد ہوا ہے: جو بھی اپنے اعمال کا حساب وکتاب نہ کرتا ہو وہ ہم سے نہیں ہے۔

۸۔ مواخذہ: جب سالک اپنے اعمال میں نفس کی خیانت کو مشاہدہ کرے تو اسے چاہیئے کہ اس کی تادیب کرے اور اسے دوبارہ انجام دینے پر پابندی عائد کرے۔

۹۔ مسارعت: جس کام کو انجام دینے کا عزم کرے اس کو عمل میں لانے کے لئے عجلت کرے اور اسے انجام تک پہنچانے میں عقل وتدبر سے حد اکثر کام لے۔

۱۰۔ ارادت: صاحب شریعت سے اپنی ارادت اور محبت کو اس قدر خالص اور پاک و صاف رکھے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی عیب و نقص نہ رہے۔

۱۱۔ آداب اور ادب: ادب کا مطلب ہے اپنے حریم کو سمجھنا اور اس سے تجاوز نہ کرنا، یعنی کسی بھی حال میں سالک سے مزاج عبودیت کے خلاف کوئی عمل سرزد نہ ہو۔

۱۲۔ نیت: سالک کے اعمال کو نیت کے میزان پر تولا جاتا ہے، اسی لئے نیک اعمال کا میزان قلبی خیالات اور باطنی نیت ہے، کمال کے لئے حسن فعلی شرط نہیں ہے بلکہ حسن فاعلی سب سے اہم شرط ہے۔

۱۳۔ صمت: یعنی ایسی خاموشی جو حکمت آمیز ہو پس وہ خاموشی جس میں کوئی حکمت نہ ہو ممدوح نہیں ہے اور اس پرہیز کرنا چاہیئے۔ ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: صمت خدا کے علم وحکمت کا ایک دروازہ ہے[1]۔

صاحب تفسیر المیزان علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: بھوک، کم کھانا، خلوت، سہر، دوام طہارت اور نفی خواطر وہ ابزار اور وسائل ہیں جو کمال کی راہ میں ایک سالک کے لئے بہت ضروری اور لازمی ہیں[2]۔

۱۔ الصمت باب من ابواب الحکمۃ ، ان الصمت یکسب المحبۃ ، انہ دلیل علی کل خیر ۔ (ارشاد القلوب، حسن بن ابی الحسن دیلمی، ج۱، ص ۱۰۲)

۲۔ رسالہ لب اللباب، سید محمد حسین حسینی، تہرانی، ص ۱۰۳

معنوی سلوک میں اسلام اور ہندومذہب کے مشابہ نظریات

انسان کامل کے مقامات تک رسائی کے لئے جو رحمانی فضائل و کمالات سے متصف اور شیطانی و نفسانی رذائل سے مبرا ہوتے ہیں، عرفانی سیر و سلوک اور تہذیب نفس وغیرہ وہ وجہ مشترک ہیں جن میں اسلام اور ہندومذہب کی تعلیمات یکساں نظر آتی ہے اور ان کے درمیان کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے رادھا کرشنا نے ایک معنوی اور سماجی دین کے عنوان سے اسلام کی توصیف کی ہے جس میں ہندومذہب سے کافی مشابہت پائی ہے۔ان کا کہنا ہے : اسلامی فرقوں کے درمیان تشیع سب سے زیادہ ہندومذہب سے نزدیک ہے۔ ہندومذہب کے عظیم دانشوروں کا ماننا ہے کہ حضرت علیؑ حقیقت میں وشنوکے دسویں اوتار ہیں۔ تصوف "ادویتاویدانتا" سے بہت مشابہ ہے جس میں وحدت الوجود کا عقیدہ پایا جاتا ہے اور کائنات کو اس کا مظہر سمجھا جاتا ہے جو نور الانوار ہے[۱]۔ دارا شکوہ نے ایک کتاب لکھی جس میں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ ہندومذہب اور اسلام میں فرق صرف اور صرف زبان اور عبارت کا ہے[۲]۔

اگر ہم اس حد تک ہندومذہب اور اسلام کے درمیان مشابہت کو قبول نہ بھی کریں پھر بھی کسی حد تک ان کی مابین مشابہت سے انکار بھی نہیں کر سکتے اور ہر حال میں ان دونوں کے درمیان مشابہت قطعی ہے۔

چار چیزیں یعنی شہود، وحدت، فنا اور بقا ایسی ہیں جن میں اسلام اور ہندومذہب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ ہندومذہب اور اسلام کے درمیان معنوی مسائل پر بحث و گفتگو اور تفاہم کا راستہ نکالا جاسکتا ہے۔

ہندومذہب میں عرفان کی حقیقت مکاتب عرفانی کی طرح وحدت الوجود اور واجب الوجود کے شہود پر استوار ہے جسے روح مراقبہ اور مکاشفہ کے ذریعہ حاصل کرتی ہے۔ روح اور برہما کا یگانگت ہندومذہب کے عرفان کی بنیاد ہے۔ روح اور برہمن کی یکسانیت عرفان کو انسانیت کا طرفدار پیش کرتی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق ہندومذہب میں آتما وہی انسانی روح ہے جو اپنی حقیقت یعنی برہما سے وصل ہوتی ہے اور خود اپنی حقیقت میں فانی ہو جاتی ہے[۳]۔

۱۔ ادیان شرق وفکر غرب، رادھا کرشنا، ص ۶۶

۲۔ ایضاً، ص ۶۶ ۳و ۶۷ ۳

۳۔ تجربہ ھای عرفانی در ادیان، حمید رضا مظاہر سیف، ص ۱۱۰

منابع و مآخذ

❖ سید حسین نصر، انسان و طبیعت، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۹
❖ سید ضیاء الدین (ترجمہ)، بحران دنیای متجدد، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۴۹ش
❖ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۱
❖ نہج البلاغہ، ص ۵۱۰، حکمت نمبر ۲۳۷
❖ صدر الدین، محمد شیرازی، الحکمۃ المتعالیۃ، ، بنیاد حکمت اسلامی صدرا، تہران، ۱۳۸۲
❖ حسن بن ابی الحسن دیلمی، ارشاد القلوب، انتشارات رضی، قم، ۱۴۱۲
❖ سید محمد حسین حسینی، تہرانی، رسالہ لب اللباب، نشر علامہ طباطبائی، مشہد، ۱۴۲۶ق
❖ حمید رضا مظاہر سیف، تجربہ ھای عرفانی در ادیان، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸

ଓଓ⊙ഇഇ